تفسیر نجوم الفرقان اور تدبر قرآن کی اختلافی مباحث کا تقابلی جائزہ

Comparative Rview of Different Opinion of Nujūm-ul-Furqān and Tadabbur-i-Qur'ān

Hafiz Abdul Ghaffar

Dr. Hafiz Khursheed Ahmad Qadri

Abstract:

The Holy Qur'ān is a comprehensive book that expresses everything in details. Anyhow, it needs to be interperated as Almighty Allah ordered us to prudence and research in Qur'ānic verses.The Qur'ān states: "Have they not contemplated the discourse." That is why the Muslim scholars of every era kept proposing solutions to new problems in the light of various interperations of the Qur'ān. Among these interperations the Nujūm-ul-Furqān min Tafsīr 'Āyātil-Qur'ān of 'Allama 'Abdul Razzaq Bhutrālwī and Tadabbur-i-Qur'ān of Amīn Aḥsan Iṣlāḥī are two prominent interperations of Qur'ān. In this paper, the comparative review of the various phenomena is presented in both the interperatations, the significance of the limitations of both the interpreters are discussed. Some of the contrarary views of both interperaters includes the point of view about the Harūf-i-Muqatta'āt, the location of Muqām-i-Ibrāhīm, the role of crow in burial of Hābīl, the obligation of Qasr Prayer and the fruits given to Hazrat Maryam was real or spiritual.

Key words: *Quran, interperation, Āyātil-Qur'ān, Comparative Review, Tadabbur-i-Qur'ān, Bhutrālwī, Iṣlāḥī.*

کلیدی کلمات: قرآن، تفسیر، آیات القرآن، تقابلی جائزہ، تدبّر قرآن، بھترالوی، اصلاحی۔

تعارف

ہماری معاشی، سماجی، دینیوی اور اخروی زندگی کے تمام مسائل کا حل قرآن کریم میں موجود ہے۔ قرآن کریم کی تفہیم کو سہل کرنے کے لئے مختلف زبانوں میں سینکڑوں تفاسیر لکھی گئی ہیں اور آج تک لکھی جا رہی ہیں۔ ہر دور میں علماء حق نے اس ذمہ داری کو بڑے احسن انداز میں نبھایا ہے۔ اسی طرح پاک و ہند کے اس خطہ میں بھی بہت زیادہ کام ہوا ہے۔ اس پورے دورانیے پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو ان میں تفسیر تدبر قرآن اور نجوم الفرقان من تفسیر آیات القرآن نمایاں نظر آتی ہیں۔ یہ دونوں تفاسیر دو مختلف نقطہ ہائے نظر کی نمائندگی کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں تفاسیر میں عقائد و احکام کے بارے اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس مضمون میں صاحب تدبر قرآن اور صاحب نجوم الفرقان کے مابین تفسیری مآخذ میں حدیث کی اہمیت، حروف مقطعات، مقام ابراہیم کی تعیین، ہابیل کو دفن کرنے میں کوّے کا کردار، قصر نماز کے وجوب کا مسئلہ او رحضرت مریمؑ کو دیئے گئے رزق کے متعلق جو بحث کی گئی ہے اس میں جمہور مفسرین کی آراء کی روشنی میں مطالعہ سے واضح ہوا ہے کہ علامہ بھترالوی کے مؤقف کو اسلاف کی تائید حاصل ہے جبکہ مولانا اصلاحی کی رائے ہر مقام پر جمہور مفسرین سے مختلف ہے۔

قرآن، صحیفۂ ہدایت

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانیت کو عطا ہونے والا آخری اور مکمل صحیفۂ ہدایت ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب تک ملت اسلامیہ کی حیات اجتماعی قرآنی ہدایات کے زیر اثر رہی اور اس کی روح کو ملت اسلامیہ نے اپنے پیش نظر رکھا عروج اور غلبہ اس کا مقدر رہا، مگر اس ہدایت کو ترک کرتے ہی ملت اسلامیہ کی عظمت تاریخ کے صفحات کی زینت بن کر رہ گئی۔ ملت اسلامیہ کا یہ زوال اس کی دلیل ہے کہ اس امت کا تمام تر عروج قرآنی ہدایت سے وابستگی میں ہی مضمر ہے۔ قرآن حکیم اپنے قاری سے تعقل، تفکر اور تدبر کا تقاضا کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: "اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا "[1] یعنی: "تو کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔"

قرآن حکیم پر غور و فکر ہی اس سے ہدایت خیزی کا باعث بن سکتا ہے کیونکہ جب تک قرآن کریم سے تعلق مضبوط نہیں ہوگا اس کی تفہیم بھی ممکن نہیں۔ ہمارے اسلاف نے اس مقصد کے حصول کے لئے اپنے شب و روز لگائے، مشقتیں برداشت کیں اور بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے تفہیم قرآن کے لئے آسانیاں پیدا کیں۔ صحابہ کرام کا یہ معمول تھا کہ نبی ﷺ سے دس دس آیات سیکھا کرتے تھے اور جب تک ان دس آیات کے علوم اور ان کے عملی پہلوؤں کو جان نہ لیتے مزید آیات نہ سیکھتے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے حضرت عمر بن خطابؓ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ وہ آٹھ سال تک سورۃ البقرہ کا علم حاصل کرتے رہے پھر صحابہ کرام کی طرح تابعین اور تبع تابعین اور متاخرین، محدثین اور فقہاء اور مفسرین نے بھی اس علم سے اپنی وابستگی کو قائم رکھا اور کلام اللہ کے صحیح فہم کی خاطر اپنی محنتوں کو صرف کیا اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کی یہ علمی وراثت نسل در نسل منتقل ہوتی رہی۔ اس سلسلہ کے دو وارث مولانا امین احسن اصلاحی اور علامہ عبد الرزاق بھترالوی ہیں جنہوں نے قرآن کریم کی تفاسیر لکھ کر اس فرض کفایہ کو ادا کیا۔

امین احسن اصلاحی

امین احسن اصلاحی ۱۹۰۴ء میں ہندوستان کے صوبہ یوپی کے شہر اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ سرائے میر ضلع اعظم گڑھ کی مشہور دینی درسگاہ مدرسۃ الاصلاح میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۲۵ء میں تعلیم سے فراغت کے بعد اسی مدرسہ میں بحیثیت مدرس تعینات ہوئے اور ساتھ ہی مولانا حمید الدین فراہی (م:۱۹۳۰ء) سے استفادہ جاری رکھا۔ ۱۹۳۰ء میں مولانا فراہی کے انتقال کے بعد مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م:۱۹۳۵ء) سے شرف تلمذ حاصل کیا اور سنن ترمذی پڑھی۔ اس عرصے میں ان کے تعلقات سید ابو الاعلیٰ مودودی (۱۹۷۹ء) سے استوار ہوئے اور ۱۹۴۱ء میں جب جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی گئی تو مولانا اصلاحی اس میں شامل ہو گئے اور اس کے شعبہ تصنیف و تالیف اور دعوت میں مشغول ہو گئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد مولانا کم سے کم دس سال تک جماعت اسلامی سے وابستہ رہے۔ فروری ۱۹۵۷ء میں ماچھی گوٹھ کے مقام پر منعقد ہونے والے جماعت اسلامی کے ارکان کے اجتماع کے بعد ان میں اور مولانا مودودی میں اختلاف پیدا ہونے لگے یہاں تک کہ ۱۹ اگست ۱۹۵۷ء کو انہوں نے مستعفی ہونے کا اعلان کیا اور ۷ اجنوری ۱۹۵۸ء کو باضابطہ طور پر جماعت اسلامی سے علیحدگی اختیار کی۔ اس کے بعد انہوں نے قرآنِ پاک کی تفسیر لکھنے کا کام شروع کیا جو ۱۹۶۰ء میں ان کے رسالہ میثاق میں شائع ہونا شروع ہوا۔ طویل علالت کے بعد ۱۹۷۰ء میں صحت یاب ہوئے تو اپنی پوری توجہ سے تدبر قرآن کا کام شروع کیا جو ۱۲ اگست ۱۹۸۰ء میں مکمل ہوا۔ دسمبر ۱۹۹۷ء میں انتقال کر گئے اور لاہور کے ڈیفنس قبرستان میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔[2]

تدبر قرآن

تدبر قرآن امین احسن اصلاحی کی اردو تفسیر قرآن ہے۔ مفسر نے اس تفسیر میں اپنے استاد حمید الدین فراہی کی فکر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ تدبر قرآن میں مصنف نے وہ قرآنی فکر و فلسفہ پیش کیا ہے جو اس عہد کے چیلنج کا جواب ہے۔ خاص طور پر نظم قرآن اور ارتباط قرآن پر زیادہ زور دیا

ہے۔ یہ تفسیر ۹ جلدوں میں ہے اسے ادارہ فاران فاؤنڈیشن نے طبع کیا ہے۔ ابتدا میں یہ آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی اور اب یہ نو جلدوں میں چھپ رہی ہے۔ اس تفسیر کے متعلق دیباچہ میں آپ نے وضاحت کی ہے کہ جو کچھ میں نے سوچا وہ تمام کا تمام نہیں لکھا؛ البتہ یہ ضرور ہے کہ جو کچھ لکھا وہ بڑا سوچ سمجھ کر ہی لکھا ہے۔ جیسا کہ آپ لکھتے: "میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ میں نے سوچا وہ سب لکھ دیا ہے، لیکن یہ ایک امر واقعی ہے کہ جو کچھ لکھا ہے وہ اچھی طرح سوچ کر لکھا ہے۔"[3]

مندرجہ بالا عبارت سے واضح ہے کہ صاحب تدبر قرآن نے اپنی تفسیر کی بنیاد مروجہ تفسیری اصولوں پر نہیں رکھی۔ ان کے نزدیک تفسیری وسائل دو طرح کے ہیں: داخلی اور خارجی۔ داخلی وسائل میں قرآن کی زبان اور اس کا نظم نمایاں ہیں، جبکہ خارجی وسائل میں روایات، آثار، تاریخ اور سابق آسمانی صحیفے وغیرہ شامل ہیں۔ جیسا کہ تفسیر کے مقدمہ میں فہم قرآن کے وسائل کی سرخی کے تحت تفسیر کے منہج واسلوب کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "میں نے اس میں فہم قرآن کے ان وسائل و ذرائع کو اصل اہمیت دی ہے جو خود قرآن کے اندر موجود ہیں۔ مثلاً قرآن کی زبان، قرآن کا نظم اور قرآن کے نظایر و شواہد، دوسرے وسائل جو قرآن سے باہر کے ہیں مثلاً حدیث، تاریخ، سابق آسمانی صحیفے اور تفسیر کی کتابیں۔"[4]

علامہ عبدالرزاق بھترالوی

علامہ قاضی حافظ عبدالرزاق بھترالوی بن مولانا قاضی عبدالعزیز حطاروی بھترال ضلع راولپنڈی کے ایک علمی گھرانے کے چشم وچراغ ہیں۔ یہ خانوادہ قاضی خاندان کے نام سے معروف ہے۔آپ کے آباؤ اجداد کا شمار اپنے زمانہ کے معروف علماء کرام اور مدرسین میں ہوتا تھا۔ با لخصوص حضرت علامہ مولانا قاضی برھان الدینؒ وہ جلیل القدر ہستی ہیں کہ جنہیں سید مہر علی شاہ گولڑویؒ (م: ۱۹۳۷ء) کے استاد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اسی طرح استاد الصرف والنحو حضرت علامہ قاضی غلام رسول بھترالوی کا تعلق بھی اسی علم دوست گھرانے سے تھا۔ آپ نے پنجاب کے مختلف مستند اداروں میں دینی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں مولانا غلام یوسف گجراتی، مولانا عبدالواحد، مولانا محمد عرفان نوری، مولانا غلام محمود ہزاروی، مفتی عزیز احمد قادری، مفتی محمد افضل حسین، مفتی محمد حسین نعیمی (م: ۱۹۹۸ء) علامہ محمد اشرف سیالوی (۲۰۱۳ء) اور قاضی محمد اسرار الحق حقانی کے اسماء مبارکہ شامل ہیں۔

علامہ عبدالرزاق بھترالوی (پ: ۱۹۴۷ء) کی شخصیت اہل علم کے حلقہ میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔آپ جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی میں ۴۰ سال تک درس وتدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے اور اب اپنے ادارہ "جامعہ جماعتیہ مہر العلوم" شکریال راولپنڈی میں فیضِ علم تقسیم فرما رہے ہیں۔ جامع مسجد غوثیہ ایف سکس ون اسلام آباد میں بطور خطیب دعوت و تبلیغ کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے ہیں۔ درس وتدریس اور وعظ و خطابت کے ساتھ ساتھ تحریر کا میدان بھی آپ کے پیشِ نظر رہا۔ آپ کی نوکِ قلم سے بہت سی کتب وجود پا کر اہل علم سے داد وصول کر چکی ہیں۔ درسی کتب کے حواشی اور شروحات آپ کا خاص میدان رہا ہے۔ آپ کی تحریر کردہ شروحات اور حواشی کو مدارس کے طلباء اور اساتذہ میں قبول عام حاصل ہوا ہے۔ وطنِ عزیز کے علاوہ بیرون ممالک میں بھی آپ کے تحریر کردہ حواشی اور شروحات کو ایک خاص شہرت حاصل ہے۔ سید حسین الدین شاہ مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی نجوم الفرقان کی پہلی جلد کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں کہ:

> "چند سال پہلے مجھے ساؤتھ افریقہ جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک علمی مجلس میں انڈیا سے تشریف لائے ہوئے ایک عالم دین سے ملاقات ہوئی جب انہیں یہ علم ہوا کہ میرا تعلق جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی پاکستان سے ہے تو بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور بتایا کہ حضرت مولانا عبدالرزاق چشتی بھترالوی کا نور الایضاح پر عربی حاشیہ ہمارے ہاں بڑا مقبول ہے۔"[5]

نجوم الفرقان من تفسیر آیات القرآن

عصر حاضر میں "نجوم الفرقان من تفسیر آیات القرآن" کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ مفسر زیر تفسیر آیت کا ترجمہ کنزالایمان سے نقل کرتے ہیں اور پھر اس کی تسہیل کرتے ہوئے کنزالایمان کی تقریباً سو سال پرانی اردو کو جدید رنگ دینے کے لئے آپ اپنا ترجمہ قرآن لکھتے ہیں۔ آیات کا لغوی و

اصطلاحی معنی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ صرفی، نحوی بحث کرتے ہیں۔ شان نزول کی روایات بیان کرنے کے بعد اسلاف کی تحقیقات اور آراء سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں۔ "راقم کی رائے" کی سرخی کے تحت اپنا مؤقف بیان کرتے ہیں۔ یہ تفسیر ۲۲ جلدوں پر مشتمل ہے۔ آج جون ۲۰۱۹ء تک بارہ جلدیں بازار میں دستیاب ہیں۔ ان بارہ جلدوں میں سورۃ الفاتحہ سے لے کر سورۃ التوبہ کی آیت ۴۰ تک کی تفسیر حوالہ قرطاس کی گئی ہے۔ یہ بارہ جلدیں دس ہزار (۱۰۰۰۰) صفحات پر مشتمل ہیں۔ باقی جلدیں برق رفتاری سے کمپوزنگ کے مراحل سے گذر رہی ہیں۔

اختلافی مباحث

اس مضمون میں تفسیر "تدبر قرآن" اور "نجوم الفرقان" میں موجود مختلف فیہ ابحاث کا تحقیقی و تقابلی جائزہ لیتے ہوئے تفسیری مآخذ میں دونوں مفسرین کے نزدیک حدیث کی اہمیت، حروف مقطعات سے متعلق آراء، مقام ابراہیم کی تعیین، ہابیل کو دفن کرنے میں کوّے کا کردار، قصر نماز کے وجوب کا مسئلہ اور حضرت مریمؑ کو دیا گیا رزق حقیقی تھا یا روحانی جیسے مسائل میں دونوں مفسرین کی آراء کا تقابلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

تفسیری مآخذ میں حدیث کی اہمیت

وہ ہستی جس پر قرآن کریم کا نزول ہوا اسی کی زبان کو خدا کے کلام کا ترجمان بنا دیا گیا تاکہ لوگ آپ کے ارشادات کو پڑھ کر کلام الٰہی کے مفاہیم کے سمجھنے میں مدد لے سکیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعد نبی کریم ﷺ کی اطاعت تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح طور پر ارشاد فرما دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت درحقیقت میری ہی اطاعت ہے۔ ارشاد ربانی ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ [6] یعنی: "جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اُس نے اللہ کا حکم مانا۔" قرون اولیٰ سے لے کر آج تک تمام اہل علم ذخیرہ کتب حدیث کو تفسیر کا ایک انتہائی اہم اور مستند ذریعہ سمجھتے آئے ہیں لیکن ایسے مفسرین جو نقلی علوم کی بجائے عقلی علوم کو ترجیح دیتے ہیں وہ روایات کے متعلق مختلف شکوک و شبہات کا شکار ہیں۔ جبکہ جمہور علماء کرام اسماء الرجال کی روشنی میں اس ذخیرہ پر مکمل بھروسہ کرتے ہیں۔ ذیل میں دونوں مفسرین کی آراء کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

صاحب نجوم الفرقان کی رائے

علامہ بھترالوی احادیث نبوی ﷺ کو تفسیر قرآن کا اہم ترین ذریعہ قرار دیتے ہوئے وضاحت کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں جتنے بھی احکام بیان ہوئے ہیں ان کی تفہیم احادیث نبوی ﷺ اور سنت رسول ﷺ کے بغیر ممکن نہیں۔ مثلاً نماز کے اوقات، رکعات کی تعداد، زکوۃ کے لئے نصاب کی مقدار اور اسی طرح حلال و حرام کے احکام وغیرہ۔ احادیث صحیحہ کو تفسیر قرآن میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ للذا انہیں چھوڑ کر دیگر ذرائع کو اہمیت دینا سراسر گمراہی ہے جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

> "قرآن پاک میں احکام مجمل ذکر کئے گئے ہیں۔ حدیث پاک میں ان کی وضاحت ہے قرآن پاک میں نماز کا ذکر ہے لیکن اوقات، تعداد، رکعات، ارکان، شرائط، واجبات سنتیں، مکروہات، اور مفسدات حدیث پاک سے ہی ثابت ہیں۔ اسی طرح زکوۃ کا قرآن پاک میں ذکر ہے لیکن زکوۃ کی مقدار نصاب کی تفصیل حدیث پاک سے ثابت ہے۔ اسی طرح روزہ حج اور تمام امور شرعیہ کی تفصیل حدیث پاک سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ تمام قضایا، احکام دینیہ حلال و حرام میں تمیز اور اخروی احوال کی تفصیل قرآن پاک، حدیث پاک اور اجماع امت سے حاصل کی جائے۔ منکرین کے باطل اقوال کی طرف توجہ کرکے متردد ہونا یا انکار حدیث پاک دین و دنیا کو برباد کرنے کے مترادف ہے۔"[7]

صاحب تدبر قرآن کی رائے

مولانا امین احسن اصلاحی تفسیر قرآن کے لئے احادیث مبارکہ کی قبولیت کو بعض دیگر علوم کے ساتھ مشروط کرتے ہیں۔ تنہا حدیث مبارکہ کو آیات قرآنی کی تفسیر کے لئے قابل اعتبار نہیں سمجھتے بلکہ ان کا کہنا ہے کہ اس سے قرآن کریم کی قطعیت کو نقصان پہنچے گا۔ مولانا اصلاحی کی رائے

یہ ہے کہ اگر چہ روایات صحت کے معیار پر پورا بھی اتر تی ہوں اس کے باوجود شکوک و شبہات سے پاک نہیں۔ لہذا صرف ان روایات کی روشنی میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

"اگر ان روایات کی تحقیق و تنقید کرکے ان کے اندر جو مغز ہے اس کو الگ بھی کیا جاسکے جب بھی تنہا انہی کو تفسیر میں فیصلہ کن چیز قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ یہ روایات صحت کے معیار پر پوری اترنے کے بعد بھی ظن کے شائبہ سے پاک نہیں ہو سکتی ہیں۔ اس لئے اگر قرآن مجید کی تفسیر میں تنہا انہی کو فیصلہ کن چیز مان لیا جائے تو قرآن مجید کی قطعیت کو نقصان پہنچے گا اور یہ چیز کسی طرح بھی گوارا نہیں کی جاسکتی۔ دوسرے دلائل و شواہد کے ساتھ مل کر تو بلاشبہ یہ روایات قرآن مجید کے صحیح مفہوم کی تعیین میں بہت زیادہ مددگار ہو سکتی ہیں لیکن تنہا انہی کی مدد سے کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا"۔[8]

راجح مؤقف

مندرجہ بالا دونوں مفسرین کی آراء کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ علامہ بھترالوی قرآن کریم کی تفسیر میں صحیح احادیث پر مکمل بھروسہ کرتے ہیں جبکہ مولانا اصلاحی ایسا نہیں کرتے۔ علامہ اصلاحی کا یہ کہنا کہ اگر کوئی حدیث اسماء الرجال کی طرف سے وضع کردہ صحت حدیث کے اصولوں پر پورا بھی اتر رہی ہو تو پھر بھی تفسیر قرآن کے لئے اس پر مکمل بھروسہ نہیں کیا جائے گا جب تک دیگر معاون علوم کی روشنی میں اس حدیث کی جانچ پڑتال نہ کرلی جائے۔ یہ اصول چودہ سو سالہ تفسیری اصولوں کے برعکس ہے۔ علامہ بھترالوی حدیث پاک کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے ایسے مفسرین کا شدت سے رد کرتے ہیں جو مختلف قسم کے خود ساختہ اصولوں کی آڑ میں حدیث پاک کا انکار کرتے ہیں اور اسے دین میں حجت قرار دینے سے لیت و لعل سے کام لیتے ہیں۔

حروف مقطعات کے بارے میں تحقیق

حروف مقطعات سے مراد ایسے حروف ہیں جن کے ہجے نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کا ترجمہ ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں ۲۹ سورتیں ایسی ہیں جن کے شروع میں یہ حروف آئے ہیں۔ جہاں بھی قرآن کریم میں یہ حروف آئے ہیں وہ سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں یعنی درمیان میں نہیں ہیں۔ بعض سورتوں کے آغاز میں آنے والے حروف مقطعات ایک ایک ہیں جیسے ن، ق وغیرہ۔ بعض میں دو دو ہیں جیسے حٰم، یٰس۔ بعض سورتوں میں تین تین حروف آئے ہیں جیسے الٓم، طٰسٓم وغیرہ۔ اسی طرح بعض سورتوں کے شروع میں چار حروف آئے ہیں جیسے الٓمٓر، اور بعض سورتوں کے شروع میں پانچ حروف مقطعات آئے ہیں جیسے سورہ مریم کے آغاز میں کٓھٰیٰعٓصٓ۔ قرآن حکیم وہ واحد آسمانی کتاب ہے جس میں حروف مقطعات دکھائی دیتے ہیں۔ دیگر مقدس کتابیں جس حالت میں بھی ہیں ان میں اس طرح کے حروف دکھائی نہیں دیتے۔ گویا اس امر میں آسمانی کتابوں میں قرآن منفرد ہے۔ قرآن حکیم کی جن سورتوں سے پہلے یہ حروف وارد ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

البقرہ، آل عمران، اعراف، یونس، ھود، یوسف، رعد، ابراھیم، حجر، مریم، طٰه، شعراء، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، سجدہ، یٰس، ص، مومن، فصلت، شوریٰ، زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، ق، القلم

ان سورتوں میں سے پہلی ۲، مدنی ہیں اور باقی ۲۷، مکی ہیں۔ حروف مقطعات کے متعلق مفسرین کرام کی مختلف آراء و اقوال ہیں۔ علامہ بھترالوی اور مولانا اصلاحی کی آراء میں بعد المشرقین پایا جاتا ہے۔ بھترالوی صاحب متقدمین کی آراء کے مطابق اللہ و رسولہ اعلم کو کافی سمجھتے ہیں لیکن اصلاحی صاحب متقدمین آراء کو ایک طرف رکھ کر اپنے استاد فراہی صاحب کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔

علامہ بھترالوی کی رائے

حروف مقطعات کے حوالے سے علامہ بھترالوی کی رائے یہ ہے کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی ہے۔ قیامت تک ان کے حقیقی معنیٰ کا کسی کو کوئی علم نہیں ہو سکتا۔ یہ متشابہات سے ہیں ان سے جو بھی اللہ تعالیٰ کی مراد ہے وہ حق ہے لیکن ہمیں اس کا علم نہیں جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

"ان الفاظ مبارکہ کی مراد کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی جانتے ہیں۔ بعض سورتوں کی ابتداء میں جو اس قسم کے الفاظ آئے ہوئے ہیں ان کو حروف مقطعات کہا جاتا ہے ان کو علیحدہ علیحدہ کرکے پڑھا جاتا ہے۔ یعنی یوں پڑھا جاتا ہے۔ الف، لام، میم۔ یہ متشابہات سے ہیں۔ متشابہ اسے کہا جاتا ہے جس کی مراد کو پہچاننے کی امید ختم ہو جائے جو بہت زیادہ خفاء میں ہو، جس کے ظاہر ہونے کی امید بالکل نہ پائی جائے۔ متشابہ کا حکم یہ ہے کہ عقیدہ یہ ہو کہ ان سے جو بھی اللہ تعالیٰ کی مراد ہے وہ حق ہے۔ ہمیں ان کا علم قیامت تک حاصل نہیں ہو سکے گا۔"[9]

مولانا اصلاحی کی رائے

حروف مقطعات کے متعلق مولانا اصلاحی نے مکمل طور پر امام حمید الدین فراہی کی رائے پر اعتماد کیا ہے۔ جو رائے قائم کی ہے وہ درج ذیل ہے:

"ان حروف پر ہمارے پچھلے علماء نے جو آراء ظاہر کی ہیں ہمارے نزدیک وہ تو کسی مضبوط بنیاد پر مبنی نہیں ہیں۔ اس وجہ سے ان کا ذکر کرنا کچھ مفید نہیں ہوگا۔ البتہ استاذ مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اجمالاً میں یہاں پیش کرتا ہوں۔ اس سے اصل مسئلہ اگرچہ حل نہیں ہوتا لیکن اس کے حل کے لئے ایک راہ کھلتی ضرور نظر آتی ہے۔ کیا عجب کہ مولانا نے جو سراغ دیا ہے دوسرے اس کی رہنمائی سے کچھ مفید نشاناتِ راہ اور معلوم کرلیں اور اس طرح درجہ بدرجہ تحقیق کے قدم کچھ اور آگے بڑھ جائیں۔"[10]

مولانا اصلاحی امام فراہی کے نظریہ کی تائید کرتے ہوئے حروف مقطعات کو سورتوں کے نام یا ان میں بیان ہونے والے انسانوں، جانوروں، پرندوں اور حشرات الارض کے متعلق جو واقعات ہیں ان کے اسماء سے موسوم کرتے ہوئے امام فراہی کے مؤقف کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

" مولانا اپنے نظریہ کی تائید میں سورہ "ن" کو پیش کرتے ہیں۔ حرف نون اب بھی اپنے قدیم معنیٰ ہی میں بولا جاتا ہے، اس کے معنیٰ مچھلی کے ہیں اور جو سورہ اس نام سے موسوم ہوئی ہے اس میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر صاحب الحوت (مچھلی والے) کے نام سے آیا ہے۔ مولانا اس نام کو پیش کرکے فرماتے ہیں کہ اس سے ذہن قدرتی طور پر اس طرف جاتا ہے کہ اس سورہ کا نام نون (ن) اسی وجہ سے رکھا گیا ہے کہ اس میں صاحب الحوت (یونس علیہ السلام) کا واقعہ بیان ہوا ہے جن کو مچھلی نے نگل لیا تھا۔ پھر کیا عجب ہے کہ بعض دوسری سورتوں کے شروع میں جو حروف آئے ہیں وہ بھی اپنے قدیم معانی اور سورتوں کے مضامین کے درمیان کسی مناسبت ہی کی بنا پر آئے ہوں۔"[11]

آخر میں مولانا اصلاحی ان حروف مقطعات کی بحث کو سمیٹتے ہوئے نتیجہ کے طور پر لکھتے ہیں کہ یہ صرف ایک نظریہ ہی ہے اس کے سوا کچھ نہیں لہٰذا اس پر اعتماد کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ جیسا کہ ان الفاظ سے واضح ہے:

" میرے نزدیک اس کی حیثیت ابھی تک ایک نظریہ سے زیادہ نہیں ہے۔ جب تک تمام حروف کے معانی کی تحقیق ہو کر ہر پہلو سے ان ناموں اور ان سے موسوم سورتوں کی مناسبت واضح نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر ایک نظریہ سے زیادہ اعتماد کر لینا صحیح نہیں ہوگا۔ یہ محض علوم القرآن کے قدردانوں کے لئے ایک اشارہ ہے، جو لوگ مزید تحقیق و جستجو کی ہمت رکھتے ہیں وہ اس راہ میں قسمت آزمائی کریں۔ شاید اللہ تعالیٰ اس راہ سے یہ مشکل آسان کر دے۔"

تقابلی جائزہ

دونوں مفسرین کے تقابلی جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بھترالوی نے اپنی رائے متقدمین کی آراء کی روشنی میں قائم کی ہے جبکہ اصلاحی نے علماء سلف کو یکسر رد کرکے صرف وصرف مولانا فراہی کی رائے کو ہی ترجیح دی ہے اور دیگر مفسرین کی آراء کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان کا ذکر کرنا بھی مفید نہیں۔ جمہور علماء کی آراء کو پس پشت ڈال کر صرف اپنے استاد کی رائے کو ترجیح دینا محل نظر ہے۔ اصلاحی دوسرے مفسرین کی تمام آراء کو رد کرتے ہیں اور ساتھ ہی ان حروف کے بارے میں اپنی رائے قائم کرتے ہوئے ان حروف کو سورتوں کے نام قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ [حروف] جس سورہ میں بھی آئے ہیں بالکل شروع میں اس طرح آئے ہیں جس طرح کتابوں، فصلوں اور ابواب کے شروع میں ان کے نام آیا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان سورتوں کے نام ہیں۔ قرآن نے جگہ جگہ ذٰلک اور تلک کے ذریعہ سے ان کی طرف اشارہ کرکے ان کے نام ہونے کو اور زیادہ واضح کر دیا ہے۔ حدیثوں سے بھی ان کا نام ہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔" [12]

بعض وہ سورتیں جو حروف مقطعات کے نام سے ہیں جیسے طٰہٰ، یٰسٓ اور قٓ یہ نام آپ ﷺ کے رکھے ہوئے ہیں۔ اگر ان حروف کے معنٰی ہوتے تو آپ ﷺ ضرور بتاتے یا صحابہ کرام پوچھتے لیکن ایسی کوئی روایت نہیں کہ جس سے اس کے متعلق آگاہی ہوسکے۔ لہٰذا یہ حروف قرآن حکیم کے متشابہات میں سے ہیں۔ ان کے معنی صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ جیساکہ سورہ آل عمران میں فرمایا گیا ہے: "وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ" [13] یعنی: "متشابہات کی تاویل صرف اللہ ہی جانتا ہے۔"

سید ابوالاعلیٰ مودودی کا نظریہ: حروف مقطعات کا استعمال عام طور پر معروف تھا۔ خطیب اور شعراء دونوں اس اسلوب سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ اب بھی کلام جاہلیت کے جو نمونے محفوظ ہیں ان میں اس کی مثالیں ہمیں ملتی ہیں۔ اس استعمال عام کی وجہ سے یہ مقطعات کوئی چیستاں نہ تھے جس کو بولنے والے کے سوا کوئی نہ سمجھتا ہو۔" [14] **صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں:** "ہوسکتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو اس کا علم بطور ایک رازکے دیا گیا ہو جس کی تبلیغ امت کے لئے روک دی گئی ہو۔" [15]

مذکورہ بالا مؤقف پر صاحب نجوم الفرقان کا تبصرہ

علامہ بھترالوی نے صاحب معارف القرآن کے "ہوسکتا ہے" کے الفاظ پر گرفت کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ آپ ﷺ کو ان حروف کے معانی کا یقینی علم حاصل تھا۔ اس لئے یہ کہنا کہ ہوسکتا ہے آپ ﷺ کو ان کا علم ہو تو یہ شک والی بات درست نہیں۔ جیساکہ آپ لکھتے ہیں:

"راقم نے معتبر تفاسیر اور کتب اسلاف سے جو بحث نقل کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو (حروف مقطعات کا) یقینی طور پر علم تھا۔ لیکن صاحب معارف القرآن نے کہا ہوسکتا ہے علم ہو یہ وجہ فرق بھی ہے ان کے اور راقم کے نظریات میں۔" [16]

راجح مؤقف

مندرجہ بالا عبارت میں مفتی صاحب نے لفظِ ہوسکتا ہے استعمال کیا ہے جبکہ سید مودودی نے لکھا ہے کہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں جو سمجھ سے بالاتر ہو اور علامہ اصلاحی نے کہا کہ ان کا ذکر کرنا کچھ مفید نہیں ہوگا یہ صرف ایک نظریہ ہی ہے۔ علامہ بھترالوی نے ان سے اختلاف کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ آپ ﷺ کو حروف مقطعات کا یقینی علم تھا؛ اس کے لئے شک کا صیغہ استعمال کرنا یا غیر مفید قرار دینا مناسب نہیں ہے۔ مذکورہ بالا تمام آراء کے تناظر میں صاحب نجوم الفرقان کی رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے کہ یہ حروف متشابہات سے ہیں اور ان کا یقینی علم اللہ اور اس کے رسول کو ہی ہے۔

مقام ابراہیم سے متعلق رائے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِمَ مُصَلًّى "[17] یعنی: "اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ۔ "مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جو بیت اللہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیمؑ نے اپنے قد سے اونچی دیوار تعمیر کرنے کے لئے استعمال کیا تھا تاکہ وہ اس پر اونچے ہو کر دیوار کو بلند کر سکیں۔ مقام ابراہیم خانہ کعبہ سے تقریباً سوا، ۱۳ میٹر مشرق کی جانب قائم ہے۔ اس مقام کو مصلے کا درجہ حاصل ہے اور امام کعبہ اسی کی طرف سے کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھاتے ہیں۔ طواف کے بعد یہاں دو رکعت نفل پڑھنے کا حکم ہے۔ احناف کے نزدیک طواف کے بعد دو رکعت واجب ہیں، نفل نہیں۔ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ مقام ابراہیم مخصوص پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشانات موجود ہیں لیکن بعض کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد یہ مخصوص پتھر نہیں ہے بلکہ پورا حرم ہے علامہ بھترالوی کے نزدیک اس سے مراد مخصوص پتھر ہے، جبکہ مولانا اصلاحی کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد پورا حرم ہے۔ دونوں مفسرین کی رائے درج ذیل ہے۔

صاحب نجوم الفرقان کا مؤقف

علامہ بھترالوی کے نزدیک مقام ابرہیم سے مراد وہ مخصوص پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر آپ نے خانہ کعبہ کی دیواروں کو بلند کیا اور اسی پر کھڑے ہو کر لوگوں کو حج کی دعوت دی جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

"مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پاؤں رکھے اور آپ کی بہو یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زوجہ نے آپؑ کے پاؤں کو دھویا اور اسی پتھر پر آپؑ نے کھڑے ہو کر کعبہ شریف کی تعمیر کی اور اسی پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیرِ کعبہ کے بعد آپؑ نے لوگوں کو حج کی دعوت دی۔"[18]

صاحب تدبر قرآن کا مؤقف

مقام ابراہیم کے متعلق مولانا اصلاحی فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں علماء کرام کی دو آراء ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد مخصوص پتھر اور دوسری یہ کہ اس سے مراد پورا حرم اور یہی تأویلی معنیٰ درست ہے کہ اس سے پورا حرم ہی مراد لیا جائے جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

"یہاں آیت میں مقام ابراہیم کا لفظ آیا ہے۔ مقام سے کیا مراد ہے؟ علماء تفسیر سے اس بارے میں دو قول منقول ہیں ایک گروہ کے نزدیک اس سے مراد وہ پتھر جس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی دوسرے گروہ کے نزدیک اس سے مراد حرم کا پورا علاقہ ہے۔ اس گروہ نے مقام کے لفظ کو کسی مخصوص کھڑے ہونے کی جگہ کے بجائے مسکن و مستقر کے مفہوم میں لیا ہے ہمارے نزدیک یہی تأویل صحیح ہے۔"[19]

دیگر مفسرین کی آراء

ابن کثیر مقام ابراہیم کے متعلق لکھتے ہیں: "مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے۔"[20] **مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:** "مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام قدم مبارک کا بطور معجزہ نشان پڑ گیا تھا اور جس کو تعمیر بیت اللہ کے وقت آپ نے استعمال کیا تھا۔"[21] **علامہ کیلانی لکھتے ہیں:** "مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے رہے۔ اسی پر کھڑے ہو کر آپ نے لوگوں کو حج کے لئے پکارا۔"[22]

راجح رائے

مندرجہ بالا تمام دلائل کی روشنی میں اگر دونوں مفسرین کی آراء کو دیکھا جائے تو صاحب نجوم الفرقان کی رائے جمہور علماء کی آراء کے مطابق ہے جبکہ صاحب تدبر قرآن کی رائے محل نظر ہے کیونکہ جب قرآن کریم نے مقام ابراہیم کہہ کر خطاب کیا ہے تو پھر عقل یہی تقاضا کرتی ہے کہ اس سے مراد وہی پتھر ہو جس کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہے۔ جس طرح صفا و مروہ کا نام لیا جائے تو اس سے مراد وہی دو پہاڑیاں ہوتی ہیں جن کی نسبت حضرت ہاجرؓہ کے ساتھ ہے۔ پورا حرم مراد نہیں اسی طرح مقام ابراہیم سے بھی پورا حرم مراد لینا درست نہیں۔ لہٰذا اس سے مراد وہی پتھر ہو گا جس کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہے اور یہی جمہور مفسرین کی رائے ہے۔

ہابیل کو دفن کرنے میں کوّے کا کردار

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِى الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِىْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ "[23]

"تو اللہ نے ایک کوّا بھیجا زمین کریدے، تاکہ اسے دکھائے کیونکر اپنے بھائی کی لاش چھپائے۔"

قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہابیل و قابیل کا قصہ بیان کیا ہے۔ قابیل نے جب ہابیل کو شہید کر دیا تو قابیل یہ نہ جانتا تھا کہ اب اس مردہ جسم کو کہاں ٹھکانے لگایا جائے کیونکہ یہ تاریخ انسانیت کا پہلا قتل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کوّا بھیجا جس نے قابیل کو سمجھانے کے لئے زمین کھودی اور اس میں مردہ کوے کو دفن کر دیا جس سے قابیل سمجھ گیا کہ اسے بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔ جمہور علماء کی رائے یہی ہے کہ کوے نے قابیل کے سامنے یہ عمل کیا تو قابیل کو بات سمجھ آگئی لیکن اصلاحی کی اس مقام پر رائے جمہو علماء کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ کوّا حقیقت میں شیطان تھا جو کوّے کے بھیس میں آیا تھا۔ اسی نے پہلے قابیل سے قتل کروایا اور پھر دفن کا طریقہ بھی سمجھانے چلا آیا جبکہ بھترالوی کی رائے دیگر مفسرین کے ساتھ ہے کہ یہ شیطان نہیں بلکہ کوّا ہی تھا جیسا کہ درج ذیل عبارت سے واضح ہے۔

صاحب نجوم الفرقان کی رائے

مندرجہ بالا آیت مبارکہ کی تفسیر میں صاحب نجوم الفرقان نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو شہید کر دیا تو اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ ہابیل کی نعش کو کس طرح ٹھکانے لگائے لہٰذا اللہ کی طرف سے ایک کوّا آیا اور اس نے قابیل کو میت دفن کرنے کا طریقہ سمجھا دیا جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

"جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو لاش کو وہاں جنگل میں ہی چھوڑ دیا جہاں قتل کیا تھا لیکن جب دیکھا کہ لاش پر درندے اور پرندے آنا شروع ہو گئے تو اس نے لاش کو بوری میں ڈال کر اٹھا لیا اس طرح لاش کو اٹھائے پھرتا رہا، جب لاش بدبودار ہو گئی اور اسے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ لاش کو کدھر کرے کیونکہ یہ زمین پر واقع ہونے والا پہلا قتل تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مشکل کو حل کرنے کے لئے ایک کوے کو بھیجا جس نے اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کو کریدا اور دوسرے کوے کی لاش کو چھپایا تو قابیل کو پتہ چل گیا کہ اسے بھی اپنے بھائی کی لاش کو اسی طرح چھپانا ہے جب دیکھا کہ کوا مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے تو کہا ہائے خرابی، ہائے افسوس کیا میں اس کوے سے بھی زیادہ عاجز آگیا تھا کہ مجھے پتہ ہی نہیں چل رہا تھا کہ میں اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپاؤں تو وہ اپنے کئے پر پشیمان ہو گیا۔"[24]

صاحب تدبر قرآن کی رائے

صاحب تدبر قرآن کی رائے یہ ہے کہ ہابیل کی شہادت کے پورے واقعہ میں شیطان نے قابیل کو ورغلایا اور پھر کوے کے روپ میں آکر دفنانے کا طریقہ بھی بتلایا اور یہ کوئی کوا نہیں تھا بلکہ یہ شیطان تھا جو کوے کی شکل میں وارد ہوا تھا، جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

"ہمارے نزدیک یہ کوّا شیطان کی مثال ہے۔ شیطان نے پہلے تو قابیل کے نفس کے اندر وسوسہ اندازی کر کے اس کو بھائی کے قتل پر آمادہ کیا اور جب وہ یہ جرم کر گزرا تو کوّے کے واسطے سے اس کو جرم کے چھپانے کی تدبیر سجھائی اور اس طرح اولاد آدم کو گمراہ کرنے کی جو قسم اس نے کھائی تھی اس کی تکمیل کی راہ میں ایک نہایت کامیاب قدم اس نے اٹھایا۔"[25]

تقابلی جائزہ

مندرجہ بالا دونوں عبارتوں سے واضح ہے کہ دونوں مفسرین میں واضح اختلاف ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کو اللہ کی نافرمانی کی طرف شیطان ہی ابھارتا ہے جیساکہ مولانا اصلاحی نے لکھا ہے لیکن جو بات قرآن کریم میں وضاحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے اس کی بے جا تاویل کرنا درست نہیں۔ صرف بھترالوی ہی نہیں بلکہ دیگر علماء کرام بھی اسی طرف گئے ہیں کہ یہ آنے والا پرندہ کوا ہی تھا شیطان نہیں تھا جیساکہ دیگر مفسرین کی تفاسیر سے واضح ہے۔

دیگر مفسرین کی آراء

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: "جب اس (قابیل) نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا تو چونکہ اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کی لاش کو کس طرح چھپائے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے دو کوّے بھیجے جو بھائی بھائی تھے، وہ دونوں لڑنے لگے ایک نے دوسرے کو مار ڈالا پھر اس نے زمین میں گڑھا کھود کر اس میں لاش رکھی اور اس پر مٹی ڈال دی۔"[26] **صاحب تفہیم القرآن کی رائے:** " اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کے ذریعہ سے آدم کے اس غلط کار بیٹے کو اس کی جہالت و نادانی پر متنبہ کیا۔"[27] **صاحب تفسیر مظہری کی رائے:** اللہ نے کوّے کو دفن کرنے کی تدبیر بتائی اور براہ راست قابیل کو نہیں بتائی بلکہ کوّے کو رہنما بنایا یہ تنبیہ ہے اس امر پر کہ اللہ کی نظر میں قابیل کوے سے بھی زیادہ حقیر تھا۔"[28] **صاحب تبیان القرآن لکھتے ہیں:** اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کرید رہا تھا، پھر اس نے زمین میں اس مردہ کوے کو دفن کر دیا۔ تب اس نے کہا ہائے افسوس میں اس کوے جیسا بھی نہیں ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔"[29]

راجح رائے

مندرجہ بالا تمام مفسرین کی آراء کی روشنی میں اگر غیر جانب دارانہ موازنہ کیا جائے تو علامہ بھترالوی کی رائے قوی معلوم ہوتی ہے جبکہ اس معاملہ میں اصلاحی تنہا کھڑے نظر آتے ہیں کیونکہ قرآن و سنت بھی اسی طرف رغبت دلا رہے ہیں کہ آنے والا پرندہ کوا تھا نہ کہ شیطان۔

قصر نماز کے وجوب کا مسئلہ

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا"[30]

"اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو (یعنی چار رکعت فرض کی جگہ دو پڑھو) اگر تمہیں اندیشہ ہے کہ کافر تمہیں ایذاء دیں گے۔ بے شک کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں۔"

آپ ﷺ اور صحابہ کرام کا دوران سفر قصر نماز کے متعلق موٴقف درج ذیل حدیث مبارکہ سے واضح ہے:

"عن يعلى بن أمية قال قلت لعمر بن الخطاب "لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا" فقد أمن الناس فقال عجبت مما عجبت منه فسألت رسول الله عن ذلك فقال صدقة تصدّق الله بها عليكم فاقبلوا صدقته".[31]

"حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے "اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز میں قصر کرو (یعنی چار رکعت فرض کی جگہ دو پڑھو) اگر تمہیں اندیشہ ہے کہ کافر تمہیں تکلیف میں مبتلا کر دیں گے" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے بھی اس بات پر تعجب ہوا تھا۔ میں نے حضور نبی اکرم صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے (سفر میں تخفیف نماز کا) صدقہ کیا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے صدقہ کو قبول کرو!

قرآن کریم کی آیت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قصر نماز کی رعایت ہے وجوب نہیں مگر مندرجہ بالا حدیث پاک سے واضح ہے کہ آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کا یہ طریقہ تھا کہ وہ سفر میں نماز قصر کیا کرتے تھے چاہے سفر پر امن ہوتا یاپُر خطر آپ ﷺ ہر حال میں نماز قصر کیا کرتے تھے۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بعض مفسرین نے یہ نقطہ نظر اختیار کیا ہے کہ آپ چاہیں تو نماز قصر کرلیں چاہے نہ کریں اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن احناف کا مؤقف یہ ہے کہ قصر نماز واجب ہے مستحب نہیں ذیل میں ہم مفسرین کی آراء کا جائزہ لیتے ہیں۔

صاحب نجوم الفرقان کی رائے

صاحب نجوم الفرقان دوران سفر قصر نماز کے وجوب کے قائل ہیں جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث مبارکہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اسی حدیث پاک سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ (نماز) قصر کرنا واجب ہے کیونکہ حدیث شریف میں صدقہ کا معنی ہدیہ و تحفہ ہے، اللہ تعالیٰ نے جب ہدیہ عطاء فرمایا تو اسے نا قبول کرنا رب تعالیٰ کی نعمت سے روگردانی ہے جو مؤمن کی شان کے لائق نہیں۔"[32]

صاحب تدبر قرآن کی رائے

مولانا اصلاحی سفر میں قصر نماز کے وجوب کے قائل نہیں بلکہ وہ اسے اختیاری مسئلہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسافر چاہے قصر کرے چاہے پوری پڑھے اسے اختیار ہے یہ کوئی وجوبی مسئلہ نہیں ہے جیسا کہ مندرجہ بالا آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ " کے الفاظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ قصر کی اجازت ایک قسم کی رخصت ہے رخصتوں کے متعلق سورہ بقرہ کی تفسیر میں، ایک مستقل فصل میں، ہم واضح کرچکے ہیں کہ ان سے فائدہ اٹھانے کو تقوی کے خلاف سمجھنا دین میں تشدد اور غلو کے رحجان کی غمازی کرتا ہے جس کو قرآن و حدیث دونوں میں مذموم ٹھرایا گیا ہے لیکن ساتھ یہ بات بھی غلو سے خالی نہیں قرار دی جا سکتی کہ کسی رخصت کو عزیمت اور وجوب کا درجہ دے دیا جائے یہاں تک کہ اس کی خلاف ورزی سے گناہ لازم آئے۔"[33]

تقابلی جائزہ

مندرجہ بالا عبارتوں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہے کہ قصر نماز میں تو کسی کو اختلاف نہیں کیونکہ یہ آیت قرآنی سے ثابت ہے البتہ اس کے حکم میں اختلاف ہے بعض اس کو رخصت پر محمول کرتے ہیں اور بعض کے نزدیک قصر کرنا واجب ہے۔ بھترالوی کی تحقیق مندرجہ بالا آیت و حدیث کی روشنی میں یہ ہے کہ نماز کا قصر کرنا واجب ہے، جبکہ اصلاحی کی تحقیق یہ ہے کہ قصر کرنے کی اجازت ہے یہ واجب نہیں ہے یعنی مسافر چاہے تو چار رکعات والی نماز کو دو کرکے پڑھ لے چاہے مکمل پڑھے دونوں طرح جائز ہے شرعی لحاظ سے اس میں کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں ہے اصلاحی کے نزدیک جس طرح تعدد ازواج کی اجازت ہے یہ فرض نہیں کہ کوئی دو دو تین تین یا چار چار شادیاں کرے بالکل اسی طرح قصر نماز کا مسئلہ بھی اختیاری ہے چاہے کوئی قصر کرے یا نہ کرے یہ فرض نہیں ہے حالانکہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام کے عمل سے واضح ہے کہ سفر میں قصر کرنا واجب ہے۔

قصر نماز کے متعلق آپ ﷺ کا معمول

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"خرجنا مع النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم من المدینۃ إلی مکۃ فکان یصلی رکعتین رکعتین حتی رجعنا إلی المدینۃ قلت أقمتم بمکۃ شیئًا قال أقمنا بھا عشرًا"[34]

"ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو دو رکعتیں پڑھتے، یہاں تک کہ ہم مدینہ منورہ میں لوٹ آئے۔ میں نے کہا: آپ مکہ مکرمہ میں کچھ ٹھہرے؟ فرمایا: ہاں اس میں دس روز ٹھہرے۔"

دیگر مفسرین کی آراء

ابن کثیر کی رائے: یہ تخفیف کمیت میں ہو گی یعنی چار کی بجائے دو رکعت، جیسا کہ جمہور علماء نے اس آیت سے اس کو سمجھا ہے اور اس سے سفر میں نماز قصر کرنے پر استدلال کیا ہے۔"[35] صاحب معارف القرآن کی رائے: "بعض لوگوں کو پوری نماز کی جگہ قصر پڑھنے میں دل میں گناہ کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے، یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ قصر بھی شریعت کا حکم ہے جس کی تعمیل پر گناہ نہیں ہوتا بلکہ ثواب ملتا ہے۔"[36] صاحب تبیان القرآن کی رائے: اصل میں امر وجوب کے لئے آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں نماز کو قصر کرنا واجب ہے، سو اگر کسی نے دانستہ سفر میں پوری نماز پڑھی تو وہ گنہ گار ہو گا۔"[37] علامہ احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں: ساری امت کا اس پر اجماع ہے کہ سفر میں نماز کا قصر ہے یعنی چار رکعت فرض دو رکعت پڑھی جائیں گی اس میں اختلاف ہے کہ قصر جائز ہے یا واجب، ہم احناف کے ہاں قصر واجب ہے۔"[38] علامہ وھبۃ الزحیلی کی تحقیق: قصر واجب عزیمت ہے ہر چار رکعتی نماز میں دو رکعت مسافر کے لئے فرض ہے قصداً اس میں اضافہ کرنا ناجائز ہے۔"[39] صاحب کتاب الفقہ کی رائے: حنفیہ تو کہتے ہیں کہ قصر کرنا واجب ہے اور واجب کا درجہ حنفیہ کے نزدیک فرض سے کم اور سنت مؤکدہ کے برابر ہے لہٰذا مسافر کے لئے پوری نماز کا پڑھنا مکروہ ہے تاہم اگر پوری نماز پڑھ لی تو نماز صحیح ہو گی بشرطیکہ پہلا جلوس ترک نہ ہوا ہو۔"[40]

راجح مؤقف

مندرجہ بالا تمام آراء کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ صاحب نجوم الفرقان کی رائے جمہور علماء کی آراء کے مطابق ہے جو قرآن وسنت کی روشنی میں زیادہ قوی ہے۔ آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کا یہی طریقہ تھا کہ وہ سفر میں قصر کیا کرتے تھے لہٰذا امت پر لازم ہے کہ شرع پاک کی طرف سے دی گئی سہولت کو قبول کر کے اس سے فائدہ حاصل کرے۔

حضرت مریمؑ کو کیا رزق دیا گیا؟

قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ"[41]

"تو اسے اس کے رب نے اچھی طرح قبول کیا، اور اسے اچھا پروان چڑھایا، اور اسے زکریا کی نگہبانی میں دیا جب زکریا اس کے پاس اس کی نماز پڑھنے کی جگہ جاتے اس کے پاس نیا رزق پاتے، کہا اے مریمؑ یہ تیرے پاس کہاں سے آیا بولیں وہ اللہ کے پاس سے ہے بے شک اللہ جسے چاہے بے گنتی دے۔"

مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر کیا ہے کہ وہ متقی اور پرہیزگار تھیں ہر وقت اپنے حجرے میں عبادت الٰہی میں مشغول رہتی تھیں۔ اللہ رب العزت کی طرف سے آپ کے پاس غیب سے رزق آتا تھا یہ آپ کی کرامت اور اللہ کے ہاں بلند مقام پانے

کی علامت تھی۔آپ کواللہ کی طرف سے جو رزق دیا جاتا تھا جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وہ حقیقی طور پر پھل وغیرہ ہوتے تھے جبکہ بعض کی رائے یہ ہے کہ یہاں پر رزق سے مراد روحانی فیوض وبرکات ہیں۔ ذیل میں بھترالوی اور اصلاحی کی آراء کا تقابلی جائزہ لیا جائے گا۔

صاحب نجوم الفرقان کی رائے

صاحب نجوم الفرقان کی رائے یہ ہے کہ وہ حقیقی رزق تھا نہ کہ روحانی جیساکہ آپ لکھتے ہیں:

"حضرت زکریا علیہ السلام جب ان کی عبادت کے کمرہ میں داخل ہوتے تو ان کے کمرہ میں بے موسم پھل پاتے گرمیوں کے پھل سردیوں میں اور سردیوں کے گرمیوں میں، تو بڑے تعجب سے پوچھتے اے مریمؑ یہ رزق تمہارے پاس کہاں سے آجاتا ہے، تو حضرت مریمؑ نے ان کے سوال کے جواب میں کہا اللہ تعالیٰ کے حضور سے مجھے یہ رزق ملتا ہے۔"[42]

آپ نے مزید اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے اس چیز کی وضاحت کی ہے کہ حضرت مریمؑ عمر کے جس حصہ میں تھیں اس کے مطابق آپ کو کھانا پینا دیا جاتا تھا جیساکہ آپ لکھتے ہیں: "راقم کے نزدیک عین ممکن یہ ہے کہ حضرت مریمؑ کو جنت کا دودھ اور شہد بھی میسر ہوتا ہوگا، کیونکہ آپ اس وقت دودھ پینے کی عمر میں تھیں، اسی وجہ سے رزقاً، کہا گیا طعاماً اور اکلاً نہیں کہا گیا۔"[43]

صاحب تدبر قرآن کی رائے

علامہ اصلاحی کے نزدیک رزق سے مراد روحانی ترقی ہے نہ کہ کھانے پینے کی اشیاء روٹی، پھل اور دودھ وغیرہ جیساکہ آپ لکھتے ہیں:

"رزق سے مراد یہاں حکمت و معرفت ہے۔ قرآن نے وحی و ہدایت کے لئے یہ لفظ ایک سے زیادہ مقامات میں استعمال کیا ہے۔ تورات اور انجیل میں بھی یہ تعبیر موجود ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد مشہور ہے کہ آدمی صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمے سے جیتا ہے جو خداوند کی طرف سے آتا ہے۔"[44]

دونوں مفسرین کی آرا کا تقابلی جائزہ

دونوں مفسرین کی آراء کا تقابل کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ رزق کا معنٰی دونوں کے ہاں مختلف ہے بھترالوی اس سے مراد حقیقی رزق لیتے ہیں جبکہ اصلاحی اس سے مراد حکمت و معرفت لیتے ہیں جبکہ جمہور مفسرین اس سے مراد کھانے پینے کی چیزیں ہی لیتے ہیں جیساکہ درج ذیل عبارات سے واضح ہے۔

دیگر مفسرین کی آراء

ابن کثیر کی رائے "حضرت مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابوشعثہ، ابراہیم نخعی، ضحاک اور قتادہ وغیر ھم فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب مریم علیہا السلام کے پاس ان کے عبادت خانہ میں جاتے تو وہاں سردیوں میں گرمیوں کے پھل اور گرمیوں میں سردیوں کے پھل موجود پاتے۔"[45] معارف القرآن کی رائے: جب کبھی حضرت زکریا علیہ السلام ان کے پاس عمدہ مکان میں تشریف لاتے تو ان کے پاس کچھ کھانے پینے کی چیزیں پاتے اور یوں فرماتے کہ اے مریمؑ یہ چیزیں تمہارے واسطے کہاں سے آئیں وہ کہتیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئیں۔"[46] صاحب تبیان القرآن کی رائے: "ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت زکریاؑ حضرت مریمؑ کے پاس سردیوں میں گرمیوں کے اور گرمیوں میں سردیوں کے پھل دیکھتے تھے۔ مجاہد نے بیان کیا ہے وہ ان کے پاس بے موسمی انگور دیکھتے تھے۔"[47] صاحب تفسیر ماہی کی رائے: حضرت زکریا علیہ السلام جب کبھی مریم علیہا السلام کے پاس ان کے حجرے میں جاتے تو بے موسمی میوے ان کے پاس پاتے مثلاً سردی میں گرمی کے پھل اور گرمی میں سردی کے پھل۔"[48]

راجح مؤقف

مندرجہ بالا تمام مفسرین کی آراء کو دیکھا جائے تو یہ مسئلہ روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ تمام مفسرین نے رزق کی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ اس سے مراد حضرت مریمؑ کو ملنے والی جنتی نعمتیں اور موسمی و بے موسمی پھل تھے۔ ابن کثیر نے اگرچہ یہ بیان کیا ہے کہ بعض مفسرین نے

اس سے صحائف اور دینی احکام لئے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کارد بھی کر دیا ہے کہ بے موسمی پھلوں کے حصول کی رائے زیادہ قوی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نیک بندی کو دنیا میں جنتی پھل عطاء فرمائے یہ حضرت مریمؑ کی کرامت وبزرگی کی واضح علامت ہے۔

خلاصہ کلام

اس مضمون میں صاحب تدبر قرآن اور صاحب نجوم الفرقان کے مابین تفسیر میں اختلافی مباحث کے بارے میں جو بحث پیش کی گئی ہے اس میں جمہور مفسرین کی آراء کی روشنی میں مطالعہ سے واضح ہوا ہے کہ علامہ بھترالوی کے مؤقف کو اسلاف کی تائید حاصل ہے۔ جبکہ مولانا اصلاحی کی رائے ہر مقام پر جمہور مفسرین سے مختلف ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ محمد، 24:47

2۔ سید قاسم محمود، ص265

3۔ اصلاحی، تدبر قرآن، 7:1

4۔ ایضاً، 14:1

5۔ بھترالوی، 14:1

6۔ النساء 4: 80

7۔ بھترالوی، 105-106:1

8۔ اصلاحی، مبادئ تدبر قرآن، ص166-167

9۔ بھترالوی، 21:2

10۔ اصلاحی، تدبر قرآن، 83:1

11۔ ایضاً

12۔ ایضاً، 82:1

13۔ آل عمران، 7:3

14۔ مودودی، 49:1

15۔ مفتی، 1: 107

16۔ بھترالوی، 27:2

17۔ البقرہ، 125:2

18۔ بھترالوی، 830:3

19۔ اصلاحی، تدبر قرآن، 329:1

20۔ ابن کثیر، 270:1

21۔ مفتی، 322:1

22۔ کیلانی، 105:1

23۔ المائدہ، 31:5

24۔ بھترالوی، 590:10

25۔ اصلاحی، تدبر قرآن، 500:2

26۔ابن کثیر، 82:2

27۔ مودودی، 463:1

28۔ پانی پتی، 444:3

29۔سعیدی، 157:3

30۔النساء، 101:4

31۔ النیسابوري، حدیث 686

32۔ بھتر الوی، 732/9

33۔ اصلاحی، تدبر قرآن، 2: 369-370

34۔ بخاری، حدیث 1081

35۔ابن کثیر، 762:1

36۔ مفتی، 534/2.

37۔سعیدی، 779:2

38۔ نعیمی، 345:5

39۔زحیلی، 790:1

40۔الجزیری، 580:1

41۔آل عمران 73:3

42۔نجوم الفرقان، ج7، ص596، 2007ء

43۔ بھتر الوی، 602:7

44۔ اصلاحی، تدبر قرآن، 78:2

45۔ابن کثیر، 515:1

46۔ مفتی، 2: 59

47۔طبری، 3: 165

48۔چشتی، 59-60:2

کتابیات

1. قرآن مجید
2. ابن کثیر، حافظ عماد الدین، تفسیر ابن کثیر: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 2009ء
3. اصلاحی، مولانا امین احسن، تدبر قرآن: فاران فاؤنڈیشن، طبع دوازدہم، لاہور، 2006ء
4. ۔۔۔، مبادیٔ تدبر قرآن، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، 2006ء
5. بھتر الوی، عبد الرزاق، نجوم الفرقان من تفسیر آیات القرآن، مکتبہ احمد رضا کری روڈ، راولپنڈی، 2007ء
6. پانی پتی، قاضی محمد ثناء اللہ۔ تفسیر مظہری: ایچ، ایم سعید کمپنی، ادب منزل، کراچی
7. طبری، محمد بن جریر، تفسیر جامع البیان، دار المعرفہ بیروت، 1409ھ
8. الجزیری، عبد الرحمٰن، کتاب الفقہ (ترجمہ منظور احسن عباسی) پنجاب، علماء اکیڈمی، شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف، 2013ء

9. زحیلی، ڈاکٹر وہبہ، الفقہ الاسلامی وادلتہ (ترجمہ،: مفتی ارشاد احمد) : دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی
10. سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن : فرید بک سٹال، ۳۸ اردو بازار، لاہور
11. سید قاسم محمود، شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا : الفیصل، ناشران کتب، اردو بازار، لاہور, 2000ء
12. بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، باب ماجاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر
13. چشتی، خادم حسین، تفسیر ماہی : ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 2010ء
14. کیلانی، عبد الرحمٰن، تیسیر القرآن لاہور : مکتبۃ السلام، وسن پورہ، 1431ھ
15. النیسابوری، مسلم بن حجاج، (م:۲۶۱ھ) صحیح مسلم، باب صلاۃ المسافرین وقصرہا, محقق: محمد فؤاد عبد الباقی، بیروت دار إحیاء التراث العربی
16. مفتی، محمد شفیع، معارف القرآن ادارۃ المعارف، کراچی
17. مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور
18. نعیمی، احمد یار خان، تفسیر نعیمی (لاہور : مکتبہ اسلامیہ ۴۰ اردو بازار